جبر و اختیار

(از افادات)

حضرت سید العلماء مولانا السید علی نقی النقوی

(دام ظلہ)

(مطبوعہ سرفراز قومی پریس نادان محل روڈ لکھنؤ)

امامیہ مشن کے خدمات کا نمبر (۸۰)

"جبر و اختیار"، اسلام کا ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے اس میں شکوک و شبہات کا تلاطم خیز سمندر بہت سے لوگوں کے عقل و فہم کو ڈبو چکا ہے۔ عرصہ سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس موضوع پر ایک رسالہ شایع کر دیا جائے۔ بعض حضرات کی فرمائشیں بھی آئی تھیں۔

یہ رسالہ اسی موضوع پر حضرت سید العلماء دام ظلہ کے ایک موعظہ کا اقتباس ہے۔

اُمید ہے کہ ارباب فہم اس رسالہ کو غور و خوض کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے اور اس سے صحیح فائدہ اٹھائیں گے۔ والسّلام

خادم قوم

سید مُصطفےٰ احسن رضوی آنریری سکریٹری

امامیہ مشن لکھنؤ

شعبان ۱۳۶۰ھ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

دُھوکا کھایا ہے لوگوں نے اور کہدیا ہے کہ بندے اپنے اچھے بُرے تمام افعال میں مجبور ہیں اور کوئی کام اُن کے ذاتی اختیار سے نہیں ہوتا بلکہ اُس کی ذمّہ داری خدا کی طرف عائد ہے۔

دلیل یہ ہے کہ انسان جو کام بھی کرتا ہے اُس کا علم خداوند عالم کو ازل سے ہے۔ اور خدا کو علم ہو چکنے کے بعد اُس کے خلاف ممکن نہیں لہذا انسان اپنے افعال میں خود مختار نہیں مثلاً زید کہ جس نے جمعہ کے دن شراب پی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کو اس کا علم تھا یا نہیں؟ جواب یقیناً اثبات میں ملے گا، اچھا علم ہو چکنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ زید شراب نہ پیے؟ ہرگز نہیں۔ ورنہ علم باری کا غلط ہونا لازم آئیگا تو معلوم ہوتا ہے کہ زید کے لیئے ناممکن تھا کہ وہ شراب نہ پیئے بلکہ شراب پینا اُس کے لیے ضروری تھا اور یہی معنی جبر کے ہیں۔

یہ دلیل ہے جس پر عقیدۂ جبر کی بنیاد قرار پائی ہے اور ظاہری نظر میں بہت مضبوط ہے لیکن جب غائر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔

ضرورت ہے اس بات کے دیکھنے کی کہ علم اور معلوم میں تعلق کی
نوعیت کیا ہوتی ہے؟ آیا علم سبب ہوتا ہے وجود معلوم کا یا وجودِ
معلوم باعث ہوتا ہے تحقق علم کا۔ اگر علم وجود معلوم کا سبب ہے
یعنی چونکہ خدا کو علم تھا اس بات کا کہ شراب پیئے گا اس لیے اُس نے
شراب پی تو یہ یقیناً جبر ہے لیکن اگر معلوم باعث ہوتا ہے علم کا یعنی
چونکہ زید شراب پینے والا تھا اس لیے خدا کو علم ہوا تو اس میں جبر کا
پتہ بھی نہیں ہے۔ صورتِ واقعہ یوں ہی ہے یعنی ہمیشہ تحققِ معلوم
باعث ہوتا ہے علم کا نہ یہ کہ علم معلوم کے وجود کا سبب ہے۔

مثال کے طور پر دیکھنا چاہیئے کہ رمّال جفار منجم وغیرہ زائچہ
کھینچتا ہے اور اس سے انکشاف ہوتا ہے کہ زید فلاں تاریخ یہ کام کریگا
اب اگر وہ شخص فن نجوم میں ناقص ہے اور اُس کا علم نامکمل ہے اور
اس لیے اُس کا انکشاف مطابق واقع نہ ہوا تو اس سے تو کوئی بحث
نہیں لیکن اگر اُس کا علم مکمل ہے تو وہ ضرور ہی مطابق واقع ہوگا۔
اور وہ شخص تاریخ معین پر اُس کام کو انجام دے گا تو کیا رمّال کے
علم نے اُس شخص کو مجبور کر دیا یا چونکہ وہ شخص باختیار خود اس کام
کو کرنے والا تھا اس لیے رمّال کو علم ہوا، یقیناً ایسا ہی ہے، اگر رمّال
زائچہ نہ کھینچتا اور اُس کو علم نہ ہوتا تو بھی یہ شخص اس کام کو کرتا، یہ

اتفاق کی بات ہے کہ اُس نے زائچہ کھینچا اور اُس کو علم بھی اس ہونے
والے واقعہ کا ہوگیا۔ اس سے زیادہ واضح مثال جس کا ہر شخص اندازہ
کر سکتا ہے یہ ہے کہ ایک شخص کوئی کام کر رہا ہے اور آپ اُس کو
دیکھ رہے ہیں، میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس وقت ممکن ہے کہ وہ شخص
اس کام کو نہ کر رہا ہو؟ آپ فرمائیں گے ہرگز نہیں ممکن اس لیے کہ میں
خود دیکھ رہا ہوں، پھر کیا آپ کے دیکھنے نے اُس کو اُس فعل پر مجبور کر دیا؟
نہیں ایسا بھی نہیں بلکہ وہ باختیار خود اُس کام کو کر رہا تھا مگر چونکہ اتفاق
سے آپ کے سامنے تھا اس لیے آپ دیکھ بھی رہے ہیں۔

بس یہی نوعیت سمجھنا چاہیئے علم باری تعالیٰ کی، فرق اتنا ہے کہ ہمارا
ادراک ناقص ہے۔ لہذا ہم اسی چیز کو دیکھ سکتے ہیں جو ہمارے سامنے
ہو لیکن جب پردہ پڑا ہو، دیوار سامنے ہو، حد سے زیادہ بعد پایا جاتا ہو
تو ہماری نظر کام نہیں کرتی اور ادراک ہمارا ساتھ چھوڑ دیتا ہے لیکن خداوند عالم
کا علم ان موانع و عوائق سے علٰحدہ ہے، اُس کے سامنے کوئی پردہ نہیں
اور کوئی حجاب حاجب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اس کے علاوہ ہم چونکہ زمانہ کے اندر ہیں اور زمانہ سیّال ہے
جس کے اجزاء اجتماعی صورت سے وجود نہیں رکھتے بلکہ ہر جزو اُس کا
دوسرے جزو کی رفتار کے بعد آتا ہے اور جب تک یہ جزو جا نہیں لیتا

بعد والے جزو کا موقع نہیں ہوتا۔ اس لیے جو حوادث اُس میں ہوتے ہیں وہ بھی گذشتنی و رفتنی ہیں اور مختلف اوقات میں ہونے والے حوادث ایک وقت موجود نہیں اور اِس لیے مُشاہدہ اُن ہی حوادث کا ممکن ہوتا ہے جو باعتبار زمانہ اس مُشاہدہ کے مقارن ہیں اور اسی وجہ سے اس وقت آپ کل ہو چکنے والے اور آیندہ ہونے والے واقعات کا مشاہدہ نہیں کر رہے ہیں لیکن خداوند عالم کہ جو زمان و زمانیات سے بالاتر ہے اور ان پابندیوں سے علٰحدہ۔ اُس کے لیے زمانہ کا تفرقہ کوئی تفرقہ نہیں ہے۔

جس طرح ایک وسیع میدان میرے سامنے ہو جس میں مختلف مقامات پر جو ایک دوسرے سے تھوڑا تھوڑا فاصلہ رکھتے ہوں مختلف اشخاص مختلف کاموں میں مصروف ہوں۔ وہ باعتبار وجود خارجی کے ایک دوسرے سے تفرقہ رکھتے اور جدا جُدا ہیں لیکن چونکہ نظر میری ان سب کو محیط ہے اس لیے ان تمام مختلف نقاط پر موجود ہونے والے اشیاء کا وہ ایک ساتھ ادراک کرے گی۔ اور باوجود اپنے ذاتی تفاوت و اختلاف مراتب کے مشاہدہ میں وہ بوقت واحد ایک ساتھ آئیں گے بس اسی صورت پر سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک طویل سلسلہ حوادث عالم تکوین کا جس کی ابتدا ابتدائے خلقت عالم سے اور انتہا انتہائے عمر زمانہ تک

ہے پورا جناب باری کے لیے جو ان زمان و زمانیات سے آگے ہے ازل سے پیش نظر ہے۔

اس سلسلہ میں ہونے والے حوادث اگرچہ باعتبار وجود خارجی کے آپس میں فاصلہ رکھتے ہیں یعنی ایک آج ہونے والا ہے اور ایک کل اور ایک سَو برس قبل اور ایک ہزار برس بعد لیکن علم باری چونکہ اس تمام سلسلہ کو محیط ہے اس لیے یہ تمام حوادث باوجود اپنے تفرقہ اور جُدائی کے اُس کے علم میں ایک ساتھ ہیں اور وہ ان سب کو برابر سے اپنی نظر قدرت سے دیکھ رہا ہے۔ پھر جس طرح کہ کسی شخص کو کام کرتے دیکھنا ہمارا اُس کے مجبور بنا دینے کا باعث نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ چونکہ ہم دیکھ رہے تھے اس لیے وہ اُس کام کو کر رہا ہے بلکہ چونکہ وہ کر رہا ہے اس لیے ہم دیکھ رہے ہیں۔ تو اسی صورت پر خداوند عالم کو اِطلاع حاصِل ہونا زید کے ہاتھوں ہونے والے کام کی اُس کام کے ہونے کا سبب نہیں ہے بلکہ اُس کے علم کی بنیاد خود اُس کام کا زید سے صادر ہونا ہے یعنی وہ کام کرنے والا تھا اس لیے خدا کو اُس کا علم ہوا۔

بے شک علم ہو چکنے کے بعد ناممکن ہے کہ وہ فعل نہ ہو۔ لیکن یہ عدم امکان فرض وقوع کی بنا پر ہے ہر چیز جس کے وقوع کو فرض کر لیا جائے اُس کا عدم ممتنع ہے کیونکہ اجتماع نقیضین محال ہے

مثلاً میں عرض کروں کہ فرض کیجیے کہ میں آپ کے یہاں حاضر ہی ہو گیا ہوں تو کیا اس فرض کی بنا پر ہو سکتا ہی کہ میں حاضر نہ ہوا ہوں۔ جواب نفی ہی میں ملے گا یعنی اس فرض کی بنا پر ناممکن ہی کہ ایسا نہ ہوا ہو۔ علم وقوع کے بعد اُس کے خلاف ممکن نہ ہونا اسی نوعیت کا ہی اس لیے کہ علم خدا کو اُس کے وقوع کا جب ہی ہوگا کہ جب وہ فعل حقیقتہ اپنے وقت پر واقع ہو۔ اور جب کہ فرض یہ ہی کہ وہ فعل اپنے وقت پر واقع ہوگا تو اب ناممکن ہی کہ واقع نہ ہو ورنہ خلف لازم آئے گا ہاں اگر وہ اپنے وقت پر واقع نہ ہو تو خدا کو علم ہی اُس کے وقوع کا نہ ہوگا بلکہ عدم وقوع کا علم ہوگا۔ لہٰذا عدم امکان وقوع بعد علم بوقوع فرض وقوع کی بنا پر ہے نہ یہ کہ علمِ اُس فعل کے وقوع کی علت تامہ ہے اس لیے اُس کے خلاف ناممکن ہو گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ علم کی بنیاد پر جبر کے عقیدہ کو ثابت کرنا بالکل بے بنیاد ہی۔ دوسری دلیل جبر کی یہ پیش کی جاتی ہی کہ وہ فعل مثلاً نماز یا روزہ وغیرہ جو کسی انسان سے صادر ہوا تو پوچھا جاتا ہی کہ خدا اُس کو چاہتا ہے یا نہ؟ جواب یقیناً اثبات میں ہوگا کہ بیشک خدا چاہتا ہے، اچھا جس بات کو خدا چاہے اُس کے خلاف ہو سکتا ہی؟ جواب نفی ہی میں ملے گا کہ ہرگز نہیں ہو سکتا، نتیجہ ظاہر ہی کہ پھر انسان اپنے فعل میں مجبور ہے یعنی جو کچھ وہ کرتا ہی اُس کے خلاف اُس سے ناممکن ہے۔

جواب اس کا یہ ہی کہ اکثر کسی لفظ کے دو معنی میں خلط یا کسی مفہوم کی دو مختلف قسموں کے درمیان تفرقہ نہ کرنے کے سبب انسان دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہی مثلاً ایک

گھوڑے کی تصویر ہی جو دیوار پر بنی ہوئی ہو اور ایک گھوڑا وہ ہی جو سچ مچ زمین پر چلنے پھرنے والا ہی، ان دونوں کے اختلاف سے قطع نظر کرتے ہوئے دو شخصوں میں اختلاف ہو رہا ہی ایک کہتا ہی کہ گھوڑے پر سوار ہونا ناممکن ہی مقصود وہ گھوڑا ہی جو دیوار پر بنا ہی دوسرا کہتا ہی کہ میں سیکڑوں مرتبہ گھوڑے پر سوار ہوا مقصود وہ گھوڑا ہی جو چلتا پھرتا ہوا جانور حیوان صاہل ہی، بات دونوں ٹھیک کہتے ہیں لیکن ایک جگہ گھوڑے کے معنی ایک اور دوسرے میں گھوڑے کے معنی دوسرے ہیں، اگر معنی کھل جائیں تو دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہ رہے لیکن معنی کے اختلاف کو نہ سمجھتے ہوئے اُلجھن پیدا ہوتی ہی یا یوں سمجھیے کہ گھوڑے کی دو قسمیں ہیں ایک اسپ صوری اور ایک اسپ حقیقی۔ ان دونوں کے احکام میں خلط کا نتیجہ خلط مبحث کی صورت میں ظاہر ہوا۔

بالکل یوں ہی سمجھنا چاہیے کہ انسان جو نماز پڑھتا ہی اور روزہ رکھتا ہی تو یہ ایسی بات ہی جس کو خدا چاہتا ہی ٹھیک ہے اور یہ بھی کہ جو خدا چاہی اُس کے خلاف ہو نہیں سکتا یہ بھی ٹھیک ہے لیکن چاہنے کے معنی دونوں جگہ مختلف ہیں۔ بات یہ ہی کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں۔ ارادہ تکوینیہ اور ارادہ تشریعیہ۔ وہ کہ جس کے خلاف ممکن نہیں ارادہ تکوینیہ ہی اور وہ کہ جو افعال عباد سے متعلق ہوتا ہے ارادہ تشریعیہ ہے، اور اُس کی وجہ سے فعل کا صدور لازمی نہیں ہوتا۔ عام فہم الفاظ میں عرض کیا جاتا ہی کہ چاہنا دو قسم کا ہوتا ہی کبھی چاہنا ہوتا ہی اس کام کا جو خود

خداوند عالم کے کرنے کا ہے۔ اور کبھی چاہنا ہوتا ہے ایسے کام کا جو دوسرے کے ہاتھ سے اُس کے ارادہ و اختیار سے ہونا منظور ہے۔

اگر چاہنے کا تعلق ایسے کام سے ہے جو خود اُس کے کرنے کا ہے تو وہ کام ہونا ضروری ہے اس لیے کہ کام خود اُسی کا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور اُس کی قوت قاہرہ کے مقابلہ میں کوئی مانع بھی نہیں ہو سکتا لیکن اگر وہ چاہتا ہے دوسرے کے کام کو اُس کے ارادہ و اختیار سے تو اس چاہنے کا لازمی نتیجہ صرف اتنا ہے کہ وہ صرف حکم دے اور پوری تاکید سے اُس کو اُس فعل کی بجا آوری پہ آمادہ کرے اگر وہ نہ کرے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ فعل زبردستی اُس سے صادر کرایا جائے اس لیے کہ بجبر اُس سے فعل صادر کرایا گیا تو درحقیقت جس سے مشیت کا تعلق تھا وہ حاصل نہ ہوا یعنی جو چاہا تھا وہ نہ ہوا۔ کیونکہ چاہا تو یہ تھا کہ فعل اُس دوسرے شخص سے ارادہ و اختیار کے ساتھ ہو اور ہوا یہ کہ فعل خداوند عالم کے جبر و قہر سے اُس سے بے اختیار صادر ہوا۔ یہ ہے تخلف مراد کا ارادہ سے اور واقعہ کی مخالفت اُس کی مشیت سے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے لہذا جو دلیل عقیدہ جبر کے اثبات میں پیش کی گئی تھی یعنی یہ کہ تخلف مراد کا ارادہ سے محال ہے لہذا اُس فعل کا ہونا ضروری ہے وہی عقیدہ جبر کا ابطال کرتی ہے اس لیے کہ ارادہ کا تعلق یوں ہی ہوتا ہے کہ فعل انسان سے اُس کے ارادہ و اختیار سے صادر ہو لہذا اگر ارادہ و اختیار سے صادر نہ ہو تو تخلف مراد کا ارادہ سے لازم آئے گا جو ناممکن ہے۔

یہ تھا عقیدہ جبر کے ادلہ کا ابطال جو بحمد اللہ کافی توضیح سے عرض کیا گیا اب مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ کچھ خرابیاں عقیدہ جبر کی عرض کردی جائیں۔ جبر کے عقیدہ کی پہلی خرابی یہ ہے کہ جزا و سزا باطل ہو جاتی ہے اور روز قیامت کا وجود بیکار۔ اس لیے کہ کسی اچھے کام کی جزا اور بُرے کام کی سزا کا استحقاق عقل کے نزدیک اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ فعل کرنیوالے سے باختیار صادر ہو۔ اگر کوئی باپ اپنے بچے کے ہاتھ میں قلم دیکر خود اُس کا ہاتھ مضبوط پکڑ کے ایک نقش کاغذ پر بنا دے اور پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر ایک قیمتی کتاب کو پھاڑ ڈالے تو یہ امر کسی طرح جائز نہ ہوگا کہ وہ پھر بچہ کو اس نقش کے بنانے کا انعام اور اس کتاب کے پھاڑ ڈالنے کی سزا دے اگر وہ ایسا کرے تو یقیناً احمق بیوقوف اور ظالم بے انصاف سمجھا جائیگا اس لیے کہ اس اچھے بُرے کام کی ذمہ داری اُس بچہ کی طرف عائد نہیں بلکہ خود اُس باپ کے ذمہ ہے۔

بس اسی صورت پر اگر خدا بندوں سے بجبر اچھے بُرے افعال سب کراتا ہے تو اچھے افعال پر جزا اور بُرے افعال پر سزا دینے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ دونوں قسم کے کام اُس نے خود کرائے ہیں جس میں انسان کے قدرت و اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اب کہیئے اُن لوگوں سے کہ نکال دیں قرآن سے اُن آیات کو جن میں وعدہ و وعید اور حشر و نشر، ثواب و عقاب کے تذکرے ہیں اور پھاڑ ڈالیں اُن احادیث کے کُتب کو جنمیں یہ واقعات و اخبار ہیں، اس کے بعد وہ جبر کے قول کو زبان سے نکالنے کا حق رکھینگے

دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء و رسل کا بھیجنا اور امر و نواہی کا نافذ کرنا شریعتوں کا جاری کرنا، کُتب کا نازل کرنا سب بیکار قرار پائے گا اس لیے کہ جب اچھے بُرے کام سب خدا خود ہی کرتا ہے تو انبیاء و رسل کی زبانی احکام شرعیہ کے تحت میں آسمانی کُتب کے اندر یہ اوامر و نواہی نافذ کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ ایسا کرو ایسا نہ کرو

اس لیے کہ کرنے نہ کرنے کا تعلق تو خود اُسی سے ہے جس کام کو چاہتا انسان سے بجبر کرا دیتا جس کو نہ چاہتا ترک کرا دیتا پھر ان سب انبیاؑ و رسل کی تبلیغ اور عظیم الشان عالم تشریع کی بنیاد لغو مہمل بے فائدہ اور لاحاصل نہیں تو کیا ہے۔ تبلیغ احکام اور ہدایت خلق میں یہ تمام اہتمامات خود اس کی دلیل ہیں کہ اچھے بُرے کاموں کا کرنا خود بندوں سے تعلق رکھتا ہے اور خداوند عالم کا کام صرف ہدایت کرنا ہے اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا وہ تعلیمات بھیجتا ہے اور راہنمائی کرتا ہے لیکن انسان اپنے قدرت و اختیار سے کبھی اُس کے تعلیمات پر عمل کرتا اور کبھی اُن کی مخالفت کرتا ہے جس پر اُس کو جزا یا سزا کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر وجدان پر نظر کی جائے تو وہ بھی عقیدۂ جبر کے خلاف ہے کیونکہ انسان بداہتہً اپنے روزمرہ کے ہونے والے حرکات میں دو قسم کے افعال پاتا ہے ایک وہ کہ جو بلا اختیار صادر ہوتے ہیں جیسے مرتعش کے ہاتھ کی حرکت اور بعض وہ ہیں جو با اختیار صادر ہوتے ہیں جیسے کاتب کی گردشِ قلم، یہ ایسی بدیہی بات ہے جس کو معمولی سے معمولی ناقص العقل افراد حتیٰ کہ بچے تک سمجھتے ہیں، تین چار برس کے سن کا کمسن بچہ جو بات چیت کر لیتا ہے اور پیروں چلتا ہے ایک دفعہ اُس کا قدم پھسلتا ہے اور گر پڑتا ہے۔ دوسرے موقع پر وہ شرارت سے ایک بلند مقام سے جست کرتا ہے اور زمین پر گرتا ہے کہ جس سے چوٹ لگتی ہے۔ پہلے مقام پر باپ خفا ہو تو

وہ یہی کہتا ہے کہ کیا کروں میرا پاؤں پھسل گیا، میں جان کے تھوڑی گرا۔ دوسرے موقع پر جب خفا ہو تو سہم کر وہ کہے گا کہ قصور ہوا اب ایسا نہ کرونگا۔ پہلے موقع پر کیوں نہیں کہتا کہ قصور ہوا اب ایسا نہ کرونگا اس لیے کہ جانتا ہے وہ میرے بس کی بات نہیں کہنے کو کہدوں کہ نہیں کرونگا لیکن اگر اس کے بعد بھی پیر پھسل جائے تو کیا کرونگا اور دوسرے موقع پر وہ جانتا ہے کہ شرارت میری تھی اور میرے ارادہ و اختیار سے تھی اس لیے آیندہ کے متعلق ایسا نہ کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔

یہ دلیل وجدانی ایسی ہے جس کے مقابل بڑی سے بڑی دلیل برہانی کوئی وقعت نہیں رکھتی جب دلیل عقلی بداہت وجدان سے تصادم کرے تو ماننا پڑیگا کہ دلیل مغالطہ کی نوعیت رکھتی ہے جس میں حقیقت کا جوہر نہیں ہے۔

عقیدۂ جبر کی ان ہی خرابیوں پر نظر کرتے ہوئے مفوضہ ایسے متوحش ہوئے کہ انھوں نے ایک مرتبہ تفویض کے نقطہ پر جا کر دم لیا اور وہ قائل ہو گئے کہ انسان بالکل مطلق العنان ہے اور اُس سے ہونیوالے افعال میں خدا کو کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ خدا کا جو کچھ کام ہے وہ ایسے امور سے متعلق ہے جو انسان کے افعال سے نہیں جیسے جلانا، موت دینا، پانی برسانا، آندھیاں لانا وغیرہ لیکن انسان کے افعال میں اُس کا کوئی دسترس نہیں، لیکن غور کرنے پر یہ خیال بھی نقطۂ حقیقت سے دور معلوم ہوتا ہے جبر و تفویض دونوں ہی افراط و تفریط کے دو نقطے ہیں اور واقعیت ان دونوں کے وسط میں ہے واقعہ یہ ہے کہ ہر چیز جو ہوا کرتی ہے اُس کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے مقتضی شرط اور عدم مانع، جب وہ تینوں مجتمع ہو جائیں تو وہ امر ہوتا ہے

اور اگر ان میں سے کوئی ایک مفقود ہو تو وہ امر نہیں ہوتا۔

مقتضی وہ ہے جو درحقیقت کسی فعل کا اصلی سبب اور باعث ہوتا ہے جس کی طرف وہ فعل منسوب ہوتا ہے جیسے آگ اُس کا کام ہے جلانا شرط وہ ہے جس پر مقتضی کا اپنے اثر میں کامیاب ہونا موقوف ہے، مانع وہ قوت ہے جو مقتضی کو کامیاب ہونے سے روک دے۔ انسان کے افعال اختیاریہ میں مقتضی تو خود اُس کا ارادہ و اختیار ہے اور اسی لیے جو کام صادر ہوتا ہے وہ خود اس کی طرف منسوب ہے لیکن شرائط و موانع کے سلسلوں کو خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے یعنی انسان جب کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے تو کامیابی اس کو اپنے ارادہ میں جب ہی ہو سکتی ہے کہ جب خدا کی قوت قاہرہ سے تصادم نہ ہو اس لیے اکثر مضبوط سے مضبوط ارادے موانع کے پیدا ہو جانے کے سبب ٹوٹ جاتے ہیں، یہی وہ چیز ہے جس سے ارباب معرفت نے خدا کی معرفت حاصل کی ہے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے رب کو کیونکر پہچانا۔ امام نے فرمایا عرفت ربی بفسخ العزائم ونقض الھمم اذا عزمت ففسخ عزمی واذا ھممت فنقض ھمی

"میں نے اپنے خدا کو پہچانا مضبوط ارادوں کے ٹوٹ جانے اور ہمتوں کے پست ہو جانے سے۔ جب میں کوئی ارادہ کرتا ہوں تو وہ میرے ارادے کو توڑ دیتا ہے اور ہمت کرتا ہوں، وہ میری ہمت کو پست کر دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری قدرت و قوت سے مافوق قوت قاہرہ ہے جس کے مقابل آکر میری قوتیں عاجز اور درماندہ ہو کر ناکام رہ جاتی ہیں۔

اسی بناء پر ہر آئندہ کام کے متعلق انشاء اللہ کہنے کی ہدایت ہوئی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تو اس کام کا ارادہ رکھتا ہوں اور پوری کوشش اس کے بجالانے کی کروں گا بشرطیکہ خدا اپنی جانب سے کوئی مانع پیدا نہ کر دے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاء اللہ کا صرف اکثر غلط محل پر ہوتا ہے درحقیقت انشاء اللہ کہنے کا موقع یہ ہے کہ انسان پورے طور سے اُس فعل کے کرنے پر عازم ہو اور ارادہ رکھتا ہو اُس وقت وعدہ کرنا چاہیئے تو بے شک اس فعل کے وجود کو خدا کی مشیت پر محول کرنا درست ہے لیکن اگر انسان خود ہی اُس فعل کے کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو اس فعل کے وجود کو خدا کی مشیت پر محمول کرنا اور اپنی ذمہ داری خدا پر عائد کرنا بالکل بے موقع ہے۔

یقیناً انسان کا اپنے کسی مقصد میں کامیاب ہونا اُسی وقت ممکن ہے جب خدا کی قوت و طاقت سے تصادم نہ ہو اور توفیق کہ جس کا انسان کو خدا سے ہر امر خیر میں طالب رہنا چاہیئے اُس کے معنی یہی ہیں کہ انسان جس امر خیر کا ارادہ رکھتا ہو خداوند عالم کی جانب سے اُس میں موانع پیدا نہ ہوں اور اسباب مہیا ہو جائیں۔

مثلاً کتنے اشخاص ایسے ہیں کہ جن کو عتبات عالیات کی زیارت کا انتہائی شوق ہے اور وہ اُس کے لیے بیچین اور مضطرب ہیں لیکن ایسے اسباب نہیں مہیا ہوتے کہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کریں بلکہ بہت سے با اقتدار افراد کی نظریں پائی

جاتی ہیں جنھوں نے تمام سامان سفر درست کر لیا اور ظاہری طور پر اسباب مہیا ہو گئے لیکن کچھ ایسے موانع پیدا ہوے کہ وہ اس شرف سے مشرف نہ ہو سکے اس کے برخلاف بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جنھیں کسی قریبی زمانہ میں خاص طور پر زیارت کا اشتیاق بلکہ خیال بھی نہیں، نہ اسباب سفر مہیا ہیں لیکن دفعتہً ایک قریب ترین عزیز یا دوست جو ان کے ہم سفر ہونے کا متمنی ہے ان سے خواہش کرتا ہے کہ تم میرے ساتھ چلو میں تمہارے مصارف کا بھی متکفل ہوں۔ یہ عذر کرتا ہے کہ میرے متعلقین کے لیے کیا ہوگا، وہ کہتا ہے کہ میں ان کے مصارف کا بھی ذمہ دار ہوں یہ ہے توفیق الٰہی جو انسان کے شامل حال ہوتی ہے اور جس کی انسان کو اعمال و عبادات کی بجا آوری میں ہر وقت ضرورت ہے۔

(تمام شد)

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ ڈاک	نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ ڈاک
۴۷	ذو الجناح	۰ر	۳ر	۶۴	خلافت و امامت حصۂ ششم	۸ر	ـ۱ر
۴۸	شہدائے کربلا حصۂ اول	۴ر	لـر	۶۵	دی لاسٹ مسیج آف حسینؑ	۲ر	۳ر
۴۹	کربلا کا مہا سمر (ہندی)	۴ر	۳ر	۶۶	ہمارے رسوم و قیود	۲	۳ر
۵۰	حسینؑ اینڈ ہیلپین آف کربلا انگریزی	۱۰ر	۳ر	۶۷	شیعوں کی تازہ زندگی	۱ر	۳ر
۵۱	مشہد اعظم	لـر	۳ر	۶۸	صحیفۂ اعمال مترجم	عمر	لمر
۵۲	لا تفسدوا فی الارض	۸ر	اہر	۶۹	مذہب شیعہ اور تبلیغ	لـر	۳ر
۵۳	نہج البلاغہ کا استناد	۴ر	لـر	۷۰	اسیری اہل حرم	۱۰ر	۳ر
۵۴	خلافت و امامت حصۂ چہارم	۳ر	۱ر	۷۱	دی مشن آف حسین انگریزی	۱ر	۳ر
۵۵	شہدائے کربلا حصۂ دوم	۰۵ر	لـر	۷۲	نظام زندگی حصہ اول	۴ر	۱ر
۵۶	ابوالائمہ کے تعلیمات	۴ر	۱ر	۷۳	" " (دوم)	۵ر	۱ر
۵۷	حسینؑ کا پیغام عالم انسانیت کے نام	۱ر	۳ر	۷۴	حقیقت اسلام	۱۰ر	۳ر
۵۸	اسلامی عقائد	۲ر	۳ر	۷۵	مظلوم کربلا	۲ر	۳ر
۵۹	آثار باقیہ	۱ر	۳ر	۷۶	دی مارٹر آف کربلا انگریزی	۳	۳ر
۶۰	صحیفہ سجادیہ کی عظمت	۱۰ر	۳ر	۷۷	تناسخ پر مختصر بحث	۳ر	۳ر
۶۱	خلافت و امامت حصۂ پنجم	۶ر	لـر	۷۸	نظام زندگی حصۂ سوم	۷ر	۱ر
۶۲	خدا کی معرفت	۸ر	اہر	۷۹	حیات قومی	۱ر	۳ر
۶۳	شہدائے کربلا حصۂ سوم	۴ر	۱ر	۸۰	جبر و اختیار	۱ر	۳ر

حضرات

لکھنؤ میں ملنے والی ہر علمی، ادبی، اخلاقی، دینی کتاب مشن کے ذریعہ سے طلب فرمائیں:-